سلسلہ تبلیغ نمبر ۳۲ ——— بار اوّل ۲۰۰۰

تفاضل الاعمال

یعنی

اعمال کی ایک دوسرے پر فضیلت

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں دو گھنٹہ تک بیٹھ کر یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ مولوی سعید احمد صاحب مرحوم نے اسے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی

ناشر

صفر المظفر ۱۴۱۴ھ ——— جولائی ۱۹۹۳ء

شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

خطبہ ماثورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝[1]

(خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو ایسے لوگوں کے برابر ٹھہرا دیا جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت پر اور خدا کے راستہ پر جہاد بھی کیا۔ خدا کے نزدیک وہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتے۔

---

[1] سورۃ التوبہ آیت ۱۹

تمہید

میں آج ایک ضروری مسئلہ بیان کرتا ہوں جس کی طرف اس کے قبل کبھی التفات نہ ہوا تھا اور غالباً اور لوگوں کے خیال میں بھی یہ بات کم آئی ہوگی۔ لیکن مسئلہ نہایت ضروری اور منصوص[1] ہے۔ اور چونکہ مسئلہ مختصر ہے لہٰذا اس وقت کا بیان بھی مختصر ہی ہوگا اور آج اس کے بیان کرنے کی ضرورت علاوہ مسئلے کے ضروری الاظہار ہونے کے ایک یہ بھی ہے کہ پہلے جمعہ کو جو مضمون بیان کیا گیا تھا اس سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور اس مسئلے کے ذہن میں آجانے کے بعد وہ شبہ مندفع[2] ہو جائے گا تو اس حیثیت سے یہ مضمون سابق مضمون سے بھی مرتبط ہوگا۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ترجمہ کرنے سے پیشتر مستقلاً اس مسئلہ کو بیان کردوں تاکہ تفصیل ذہن نشین کرنے کے بعد آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ مسئلہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

تفاوتِ حسنات

یہ بات تو ہر خواص و عوام کو معلوم ہے کہ جس قدر بھی نیک کام ہیں سب کے سب ایک درجہ اور ایک پایہ کے نہیں۔ بلکہ متفاوت ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مسجد بنوانا، حج کرنا، مظلوم کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سے نیک کام ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو ثواب نماز پڑھنے میں ملتا ہے اسی قدر مسجد بنوانے میں بھی ملتا ہے۔ یا حج کا ثواب ایک پیسہ خیرات کرنے میں بھی اس کے برابر ہے علیٰ ہٰذا گناہ بھی سب برابر نہیں

---

[1] نص سے ثابت ہے

[2] دور

چوری، ڈکیتی، زنا، قتل، شراب خوری کبائر ہیں، اور آپس میں متفاوت اسی طرح بہت سے صغائر ہیں لیکن کوئی بہت ہلکا ہے کوئی اس سے زائد۔ نیز یہ تفاوت حسنات میں منصوص ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنٰهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

(ایمان کے کچھ اوپر ستر درجے ہیں سب سے افضل کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے کم مرتبہ موذی چیز کو راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم و حیا بھی ایمان ہی کا ایک درجہ ہے) یعنی ایمان کے متعلق بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے زیادہ کامل تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے ادنیٰ درجے کا کام یہ ہے کہ رستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دے مثلاً رستہ میں کانٹے پڑے ہوں یا کوئی بڑی لکڑی پڑی ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ سڑک پر ایسی چیزیں ڈال دیتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں جن سے رستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً بعض لوگ بہلی یا چھکڑے رستے میں کھڑے کر دیتے ہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نابینا شخص وہاں سے گزرتا ہے اور اس سے ٹکر کھا جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی ایک کنارے پر ہو تو مضائقہ نہیں لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے اور یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے ان باتوں کے متعلق کوئی قانون مقرر ہی نہیں کیا۔ صاحبو ہر ہر کام کے لئے شریعت میں ایک حکم موجود ہے۔ دیکھو جب اماطۃ الاذی[1] کو شعبۂ ایمان قرار دیا ہے تو اس کے خلاف گناہ ہوگا یا نہیں یہ مسئلہ اس حدیث سے مستنبط[2] ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قریب بصراحت ہے۔ غرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بصراحت بتلا دیا کہ حسنات باہم متفاضل

---

[1] تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔
[2] نکلتا ہے۔

ہیں ایمان اعلیٰ ہے حیا اس سے کم ہے اماطۃ الاذیٰ اس سے کم ہے۔ بلکہ اگر عادات ناس[1] میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اور لوگ بھی عملاً اعمال کو متفاوت مان رہے ہیں دیکھئے اگر کسی شخص کے پاس دس روپیہ ہوں اور وہ ان کو کسی مصرفِ خیر میں لگانا چاہتا ہے تو اول اس کی تحقیق کرتا ہے کہ سب مصارف میں بہتر مصرف کون ہے اور اگر خود معلوم نہیں ہوتا تو علماء سے رجوع کرتا اور ان کے بتلائے ہوئے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اگر وہ مدرسہ میں خرچ کرنے کو افضل بتاتے ہیں تو مدرسہ میں خرچ کرتا ہے مسجد میں خرچ کو افضل بتاتے ہیں تو مسجد میں دیتا ہے۔ پس اگر اس متجس[2] کو معتقد تفاضل نہ مانا جائے تو اس کی چھان بین کیوں ہے پس ہر طرح سے تفاضل ہیں الحسنات متیقن[3] ہے دلیل سے بھی تسلیم ناس[4] سے بھی یہ تو اجمالی مسئلہ ہے اور یہ بالکل مطابق واقع کے ہے۔

تعیین افضل الاعمال

لیکن اس کی تفاصیل میں اکثر نے غلطی کی ہے عوام نے بھی اور علماء نے بھی۔ اس لئے اس کے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے وہ غلطی یہ ہے کہ لوگ افضل کی تعیین اپنی رائے سے کرتے ہیں یا اگر بعض لوگ کسی دلیل شرعی سے تعین کرتے ہیں تو وہ لوگ اس دلیل شرعی میں غور نہیں کرتے کہ یہ دلیل اس دعویٰ کے لئے کافی ہوگی یا نہیں اور انطباق ہوا یا نہیں ہوا، چنانچہ عوام الناس جب تفاضل[5] کی تحقیق کرتے ہیں اول تو اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں اور تفاضل اسکا معیار بھی ایک مقرر کر لیا ہے کیونکہ ہر تفاضل کے لئے کوئی نہ کوئی معیار تو ضرور ہونا چاہئے۔ ایک چاندی کو دوسری چاندی پر یا ایک

---

[1] لوگوں کی عادت [2] جستجو کرنے والے [3] یقینی
[4] لوگوں کے ماننے سے [5] ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا

کپڑے کو دوسرے کپڑے پر اگر ترجیح دیں تو اس ترجیح کا کوئی معیار ضرور ہوگا۔

پس اسی بناء پر عوام نے بھی اس تفاضل کے لئے ایک معیار مقرر کر لیا ہے کہ جس عمل کو وہ صورۃً عبادت سے زیادہ تلبیس[1] دیکھتے ہیں اس کو افضل سمجھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جس طرح وہ واقع میں عبادت ہیں اسی طرح صورۃً بھی وہ عبادت ہیں یا عبادت سے ان کو تلبیس ہے مثلاً نماز پڑھنا کہ یہ حقیقتاً اور صورۃً دونوں طرح عبادت ہے۔ یا مسجد تیار کرانا کہ اس کو صورۃً عبادت سے تلبیس ہے۔ دوسرے وہ اعمال ہیں کہ واقع میں وہ عبادت ہیں لیکن ان کی ظاہری صورت عبادت نہیں معلوم ہوتی نہ ان کو کسی عبادت سے ایسا ظاہری تلبس ہے کہ ہر شخص کی نظر میں آ جائے جیسے کسی طالب علم کی مدد کرنا کھانے یا کپڑے سے (کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے کسی طالب علم کا کھانا مقرر کرانا ہے ہرگز نہیں) کیونکہ طالب علم کا کھانا مقرر کرنا جو عبادت ہے تو اس لئے کہ یہ خدمت دین ہے اور اس کا خدمت دین ہونا اس وقت سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب طالب علم فارغ ہو کر خدمت دین میں مصروف ہو تو یہ دونوں قسم کے اعمال عبادت ہیں لیکن دونوں میں تفاوت یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر صورتاً بھی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ عبادت کو تلبس ظاہر ہے یعنی اس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور تلبس بھی بلا واسطہ ہے اور اسی وجہ سے یہ تلبس بہت ظاہر ہے۔ اور عبادت بھی ایسی کہ وہ بصورت ہا[2] عبادت ہے یعنی اس کا عبادت ہونا نظری نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ نماز پڑھنا عبادت ہے لہٰذا اس کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ بناء مسجد یا اس میں تیل بتی دینا بہت بڑی عبادت ہے۔

برخلاف تقرر طعام طالب علم کے کہ جس سے متلبس ہے اول تو وہ ایسی ظاہر

---

[1] ملا ہوا [2] اپنی صورت کے اعتبار سے

عبادت نہیں کہ عوام بھی فوراً سمجھ لیں دوسرے الطعام[1] کو اس عبادت سے تلبیس بھی ہو سکتی ہے کیونکہ امداد طلبہ میں علم دین کی مدد ہے اور وہ اتنی ظاہر عبادت نہیں کیونکہ اگر ایک شخص میزان الصرف یا درس کی کوئی کتاب بالخصوص فلسفہ یا ہیئت پڑھتا ہے تو کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ عبادت کر رہا ہے اس لئے کہ اس کا عبادت ہونا مآل[2] اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی اگر دس برس تک یہ شخص مثلاً اسی میں لگا رہے اور فراغت حاصل کرے تو وہ اس قابل ہوگا کہ دین کی خدمت کر سکے اور خدمت دین افضل العبادات ہے۔

مرتبہ خدمت دین

اسی خدمت دین کی بدولت شیخین رضی اللہ عنہما کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل کہا جاتا ہے ورنہ عبادت کی کثرت اور قلت کسی کی مدون نہیں اور اگر کسی نے ظاہری فضائل کی چھان بین کی بھی ہے تو اس کو حضرت علیؓ کا کثیر الفضائل ہونا معلوم ہوا ہے محدثین نے اس کی تشریح کی ہے اب یا تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قسم کے فضائل اس قدر مدون کم ہوئے ہیں یا فی الواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے فضائل میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زائد ہوں لیکن پھر بھی محققین اور اہل نظر یہی کہتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

اور اس نظر کی تائید حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات عالم شہادت اور برزخ دونوں سے ہوتی ہے۔ سو احادیث تو سب کے پیش نظر ہیں اور نہ ہوں تو وہ

---

[1] کھانا کھلانا [3] کئی واسطوں سے
[2] مستقبل

مدون ہیں ہر ایک دیکھ سکتا ہے ہاں برزخی اقوال سے ایک قول نقل کرتا ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کا حکم فرمایا اور یہ تینوں باتیں میری مرضی کے خلاف ہیں مگر ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے اپنی مرضی کو چھوڑ دیا۔

ایک تو یہ کہ میرا رجحان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل[1] کی طرف تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم سمجھو۔

دوسرے میرا میلان ترک تقلید کی جانب تھا ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ والہ وسلم ہوا کہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ ہو۔

تیسرے میں ترک اسباب کو پسند کرتا تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک کر تشبث[2] بالاسباب کا حکم فرمایا۔

ان تینوں حکموں میں بہت سے راز ہیں لیکن یہ وقت ان کی تفصیل کا نہیں لہٰذا اس کو یہیں چھوڑا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عالم برزخ میں بھی ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ والہ وسلم سے یہی معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ سے افضل سمجھو غرض حدیث سے، کشف سے، محققین کی رائے سے ہر طرح شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اگر کسی کو اس مسئلے کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو وہ ازالتہ الخفاء کا مطالعہ کرے وہ انشاء اللہ تعالےٰ خاص اسی متن کی پوری طرح شرح ہوگی۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ سے اسلام کی خدمت بہت زیادہ ہوئی پس علم کی افضلیت کی تو یہ حالت لیکن باوجود افضل العبادات ہونے کے اس کی صورت عبادت کی نہیں ہے۔

---

[1] فضیلت   [2] اسباب اختیار کرنے کا

اعانتِ طلباء

پھر اطعام[1] کو جو اس سے تلبس ہے وہ تلبس بلاواسطہ نہیں بلکہ بوسائط[2] ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کس قدر ثواب ہے مثلاً آپ نے ایک طالب علم کو کھانا کھلایا جس نے بدل ما یتحلل کا کام دیا اور اس نے مطالعہ و حفظ سبق کی قوت پیدا کی اور اس قوت سے اس نے کام لے کر ایک سبق یاد کیا اور اسی طرح مسلسل سات آٹھ برس تک یہ کرتا رہا اور اس مدت میں فراغ حاصل کر کے اس قابل ہوگیا کہ دین کی خدمت کرے اور اس نے دین کی خدمت شروع کر دی پس یہ خدمتِ دین اسی مدد اور اطعام کی بدولت ہے جو آٹھ برس تک اس کو پہنچتی رہی اور اس خدمت کا ثواب ان سب لوگوں کو ملے گا جو اس کی امداد میں شریک رہے ہیں لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے اور

بلاضرورت تعمیرِ مسجد

اس لئے ان کے پاس جب کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور ان کو خدا کی راہ میں دینے کا کچھ خیال پیدا ہوتا ہے تو مسجد بنواتے ہیں اکثر ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس وافر روپیہ ہے اور وارث ایک بھی نہیں یا وارث بھی ہیں مگر ان کو اس کی دنیا کی احتیاج نہیں تو اول تدبیر ان کی سمجھ میں یہی آتی ہے کہ اپنے گھر کی مسجد بنا دیں آخر مسجد بنا کر اپنی زندگی بھر اسکے حجرے میں رہتے ہیں اور چھوڑ کر مر جاتے ہیں ایسے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس جدید مسجد میں جو نمازی آئیں گے وہ دوسری قدیم مسجد کے جانے والے

---

[1] کھانا کھلانے　　[2] کئی واسطوں سے

اور وہاں کی جماعت کئے ہوں گے اور جب قدیم مسجد کے لوگ یہاں آنے لگیں گے تو اس مسجد کی جماعت میں قلت [1] ہو جائے گی۔ ہم نے اسی قصبے میں دیکھا ہے کہ چار پانچ مسجدیں بالکل ہی قریب قریب بنی ہیں ایسی کہ اگر ایک ہی وقت میں سب جگہ نماز شروع ہو تو ایک مسجد کا امام دوسری مسجد کے امام کی قرأت پوری طرح سن سکتا ہے بلکہ عجیب نہیں کہ سب آوازیں مختلط ہونے کے سبب کسی کو بھول بھی ہو جائے۔ اس میں بعض لوگوں کی نیت تو تفاخر کی ہوتی ہے ایسے لوگ تو کسی شمار ہی میں نہیں لیکن بعض مخلص بھی ہوتے ہیں اگرچہ وہ ثواب میں مفلس ہی ہوتے ہیں (لطیفہ عوام الناس ان اطراف میں مفلس کو مخلص کہتے ہیں۔ میرے پاس ایک دیہاتی دوست آئے میں نے تذکرے میں کہا کہ تم بہت مخلص ہو کہنے لگے نہیں تمہاری دعا سے میرے پاس سب کچھ ہے میں مخلص نہیں یعنی مفلس نہیں) غرض ایسے لوگوں کو باوجود اخلاص نیت کے کچھ ثواب نہیں ملتا بلکہ الٹا ضرر [2] ہوتا ہے۔

حقیقت مسجدِ ضرار

لیکن ایسی مسجد کو مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان لوگوں کی نیت خراب نہیں ہوتی آج کل اکثر مستفتی [3] چالاکی کرتے ہیں کہ صورت سوال ایسی بناتے ہیں جس میں مجیب کو خواہ مخواہ مسجد ضرار ہی کہنا پڑے اور اکثر مجیب بھی بالکل سائل کے تابع ہو کر جواب دے دیتے ہیں۔ صاحبو کسی مسجد کا ضرار ہونا آسان نہیں کیونکہ مسجد ضرار ہونے کیلئے نیت کا خراب ہونا شرط ہے پس ممکن ہے کہ بانی کی نیت اچھی ہو اگرچہ اس کو غلطی ہو گئی

---

[1] کمی   [2] نقصان

[3] فتویٰ پوچھنے والے

ہو اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ بانی کی نیت خراب ہی تھی تو اس مستفتی[1] کو اس کا علم کیونکر ہو سکتا ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ ایسی مسجد بنانی جائز ہے مقصود یہ ہے کہ سائل کو اصل نیت کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے کہ اس پر مسجد ضرار کا اطلاق کر دیا جائے۔ اس کے سوا ممنوعات بھی ایک درجے کے نہیں ہوتے تو زیادہ سے زیادہ مسجد ضرار کی مثل ہو جائے گی لیکن مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی مسلمان کافروں کی سی حرکت کرنے لگے تو اس کو متشبہ بالکفار کہیں گے لیکن کافر نہیں کہہ سکتے الحاصل ایسی مسجد بنانا ناپسندیدہ ہے تو عوام کو ایک تو اس کا بہت شوق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی صورت عبادت کی ہے۔

افضلیتِ عمل کا غلط معیار

اور اسی بناء پر قرآن کے وقف کرنے کو بہت ثواب سمجھتے ہیں ہدایہ وقف کرنے کو کوئی ثواب نہیں سمجھتا اگرچہ لینے والا قرآن کو پڑھے بھی نہ کیونکہ قرآن اس قدر طبع ہو گئے ہیں کہ کوئی ان کو پڑھتا بھی نہیں اسی طرح جب کوئی مرتا ہے تو اس کے ترکہ میں سے قرآن وقف کرتے ہیں اگرچہ وہ اتنا غلط ہو کر کوئی پڑھ بھی نہ سکے۔ ایک مرتبہ ایک شخص بہت سے قرآن مسجد میں لایا کہ میں ان کو وقف کرتا ہوں دیکھا گیا کہ سب غلط تھے آخر میں نے ان کو دفن کرایا تو ایسے قرآن وقف کرنے سے کیا نتیجہ ہاں کوئی اوراق ہی کے وقف کرنے میں وقف قرآن کا ثواب سمجھے تو دوسری بات ہے۔ بس ایک معیار تو عوام کے ذہن میں یہ ہے۔

دوسرا معیار یہ ہے کہ جس کام کا نفع فوراً ظاہر ہو اس میں زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔

---

[1] فتویٰ پوچھنے والا

اور جس کا نفع بدیر ہو اس میں اتنا ثواب نہیں سمجھتے۔ اسی بناء پر پانی پلانے کا ثواب زیادہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کا ارادہ کنواں بنوانے کا ہو اور اس سے کہا جائے کہ مسجد کا ایک حجرہ شکستہ ہو رہا ہے اس کو بنوا دو تو وہ کنویں کو ترجیح دے گا۔

تیسرا معیار عوام کے نزدیک یہ ہے کہ جس چیز کا نفع عام ہو اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے چنانچہ کنواں بنوانا اس کی بھی مثال ہے۔ یہ نمونہ کے طور پر عوام الناس کے تجویز کردہ معیاروں کا ذکر تھا جو ان کے حالات میں غور کرنے سے سمجھ میں آئے کہ نفع عاجل ہو اور نفع عام ہو اور اس کام کی صورت عبادت کی ہو اور عوام الناس اسطرح اپنے لئے ان تین معیاروں سے کاموں کی تجویز کرتے ہیں۔

اسی طرح بزرگوں میں بھی موازنہ انہی تین معیاروں سے کرتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص تمام رات جاگتا ہے کسی سے بات بھی بہت کم کرتا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے جو کہ فرائض واجبات اور سنن ادا کرتا ہے رات کو گھنٹہ دو گھنٹہ جاگ لیتا ہے، حفاظت دماغ کی تدبیر بھی کرتا ہے نصیحت و پند بھی کرتا ہے خلق اللہ کی دلجوئی کے لئے لوگوں سے ملتا بھی ہے بچوں سے مزاح بھی کر لیتا ہے تو عوام الناس اس کے مقابلہ میں پہلے شخص کو زیادہ کامل سمجھیں گے چنانچہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عابد ہے بلکہ عابد کی جگہ معبد کہتے ہیں خدا جانے یہ لغت کہاں سے ایجاد کیا اور دوسرے شخص کو چونکہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ عبادت نہیں کرتا اس لئے اس کو زیادہ کامل نہیں سمجھتے حالانکہ ممکن ہے کہ عابد واقع میں یہی شخص ہو۔ کیونکہ عبادت عبد بننے کو کہتے ہیں اور عبدیت بجا آوری احکام کا نام ہے جس وقت بھی جو کلمہ ہو پس اختلاط[1] خلق اغراض صالحہ سے نیز عبادت میں داخل ہے۔

---

[1] نیک غرض سے لوگوں سے ملنا

تحقیق عبدیت

اس کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحقیق بیان کرتا ہوں فرمایا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [1] (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) تو باوجود اس کے کہ ملائکہ اور حیوانات عبادات سے نباتات جواہر و اعراض سب کے سب عبادت میں معروف ہیں جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارے میں ارشاد ہے۔ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ [2] (پاکی بیان کرتے ہیں رات اور دن اور اس سے نہیں تھکتے) حیوانات وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

إِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ [3] (کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ اللہ کی حمد و تعریف نہ کرتی ہو لیکن اس کی تسبیح کو تم لوگ نہیں سمجھتے)۔

ان کے علاوہ اور متعدد آیات سے ہر ایک چیز کا عبادت میں مشغول ہونا معلوم ہوتا ہے پھر انسان اور جن کی تخصیص عبدیت میں کیوں فرمائی گئی۔ فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے، ایک غلام ہوتا ہے۔ نوکر کی خدمات ہمیشہ معین ہوا کرتی ہیں یعنی اگرچہ کتنے بھی مختلف کام نوکر سے لئے جائیں لیکن کوئی کام ایسا ضرور ہوتا ہے کہ جس میں نوکر عذر کر دے اور کہہ دے کہ میں اس کام کے لئے نہیں ہوں مثلاً اگر کوئی شخص اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ تو مہتر [4] کا کام بھی کیا کر تو وہ ہرگز منظور نہ کرے گا اور عذر کر دے گا۔ علیٰ ہذا اور بہت سے کام ایسے نکلیں گے جن میں

---

[1] سورۃ الذاریات آیت ۵۶

[2] سورۃ انبیاء آیت ۲۰

[3] سورۃ اسریٰ آیت ۴۴

[4] بھنگی

نوکر کی جانب سے عذر ہوگا بلکہ اولاد بھی جس پر نوکر سے زیادہ قبضہ اور تسلط ہوتا ہے بعض کاموں میں انکار کر دیتی ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک خاندانی سید اور معزز دوست نے ایک ایسے موقعہ پر کہ سقوں نے پانی بھرنا چھوڑ دیا تھا اپنے لڑکے کو کہا کہ بھائی سقوں نے تو پانی بھرنے سے جواب دے دیا ہے اہل محلہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے تم ہی لوگوں کے ہاں پانی بھر آیا کرو وہ لڑکا بہت خفا ہوا برخلاف غلام کے کہ اس کا کوئی خاص مقرر کام نہیں ہوتا بلکہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک وقت آقا کی نیابت کرتا اور زرق برق لباس میں ہوتا ہے اور دوسرے وقت آقا کے نجس کپڑوں کو صاف کرتا ہے ایک وقت بھنگی کا کام کرتا ہے تو دوسرے وقت سفارت کا کام کرتا ہے پس غلام نوکر بھی ہے مہتر بھی ہے سفیر بھی ہے خلیفہ بھی ہے پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس وسجدہ وغیرہ الفاظ سے فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو بلفظ عبدیت فرمایا اور جب انسان اور جن عبد اور غلام ہیں تو ان کی کوئی خاص خدمت نہ ہوگی بلکہ ایک وقت نماز روزہ کرنا عبادت ہوگا تو دوسرے وقت سونا اور قضائے حاجت کرنا لوگوں سے ملنا وغیرہ وغیرہ کام عبادت ہوں گے۔

چنانچہ حدیث میں ہے نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ یُّصَلِّیَ حَاقِنًا اَوْ کَمَا قَالَ (قضائے حاجت کی شدت کے وقت نماز ادا کرنے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا) کہ جس وقت پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو اس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور دفع فضلہ[1] واجب ہے۔ دیکھئے ایک وقت انسان کے لئے ایسا نکلا کہ اس کو مسجد جانا حرام اور بیت الخلا جانا واجب ہوا۔

---

[1] پاخانہ کرنا

اسی طرح اگر کوئی شخص اول وقت نماز پڑھنا چاہے اور اس کو شدت سے بھوک لگی ہو تو شریعت حکم کرے گی کہ نماز کو موخر کرو اور کھانا کھاؤ۔ اسی راز کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکیزہ الفاظ میں فرماتے ہیں لان یکون اکلی کلہ صلوۃ خیر من ان یکون صلوتی کلها اکلا (کھانا کھاتے رہنا اور خیال نماز کی طرف رہنا یہ بہتر ہے اس بات سے کہ نماز پڑھتا رہے اور نیت کھانے کی طرف رہے) کیونکہ جب کھانا کھانے میں نماز کا برابر خیال رہا تو یہ سارا وقت انتظار صلوۃ میں گذرا اور انتظار صلوۃ میں صلوۃ کا ثواب ملتا ہے برخلاف اس کے اگر بھوک میں نماز شروع کر دی جائے تو جوارح[1] تو نماز میں مشغول ہوں گے اور دل کھانے میں پڑا ہوگا تو نماز کھانے کی نذر ہو گی اور یہی فہم ہے جس کی بدولت ان حضرات کو فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے۔ آج یہ فہم مفقود ہے۔ ہم لوگ کتابیں ان سے زیادہ پڑھتے ہیں مگر وہ بات حاصل نہیں۔

ع نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ہر وہ شخص جو آئینہ رکھتا ہے ضروری نہیں کہ سکندری فن سے واقف ہو)

اور اسی راز کی بنا پر ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہم فرمایا کرتے تھے کہ اگر جسم ہند میں رہے اور دل مکہ مکرمہ میں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ مکرمہ میں رہے اور دل ہندوستان میں۔ غرض انسان کے لئے کوئی خاص عبادت مقرر نہیں کیونکہ اس کی شان عبد کی ہے اور جب یہ ہے تو ایک تو وہ شخص ہے کہ نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے باتوں میں مشغول ہے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ رہا ہے اور دوسرا شخص لا الہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے تو

---

[1] اعضاء

بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے۔

حقیقتِ عبادت

لیکن غور کریں تو معلوم ہو کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے مثلاً مسافر کے انبساطِ خاطر[۱] کے لئے ایسا کر رہا ہے یا کوئی دوسری ایسی نیت ہے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں، کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے تو ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہیئے لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت رحمۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ ہاں آخر جب بہت دیر ہو گئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا، حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے، مگر عوام الناس کیا سمجھیں۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

(تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا لہٰذا بات کو طول نہ دے۔ (بڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو

---

[۱] خوش کرنے کے لئے

تھامے رکھ، اسی میں بھلائی و خیریت ہے۔)

عوام الناس کی حالت اور مذاق پر مجھے ایک حکایت یاد آتی ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شیخ نہال احمد رئیس دیوبند کا نکاح ان کے والد نے کیا تو چماروں کو بھی زردہ پلاؤ فرنی وغیرہ کھلائی اور کھانے تو انہوں نے جس طرح ہوا کھائے مگر جب فرنی سامنے آئی تو اس کو چکھ کر ان میں سے ایک شخص کیا کہتا ہے کہ یہ تھوک سا کیسے ہے یعنی کیا ہے واقعی جس نے ہمیشہ گڑ اور شیرا کھایا ہو وہ کیا جانے کہ قند میں کیا مزہ ہے۔ اور فیرنی کیسی ہوتی ہے اسی طرح معانی کے عوام الناس کو خبر نہیں ہوتی۔

ولایت و بزرگی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں کے تذکروں کو سن کر آپ تبسم فرماتے تھے اور آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ کی نہیں سنی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تجربہ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ کم و بیش تبسم کی حالت ہو جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو تجربہ سے ثابت ہے اور ایک ترجمہ شمائل ترمذی سے ملایئے شمائل میں ہے

(حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکرمند رہتے اور آپ پر غم یکے بعد دیگرے آتے رہتے) اور وجہ اس کی خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحب صور تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہو اور صور پھونک دوں گویا یہ حالت تھی کہ ؎

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم
جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

(مجھے محبوب کے گھر پہنچ کر بھی امن وعیش نہیں ملا وجہ یہ ہے کہ گھنٹہ ہر وقت کوچ کی خبر دے رہا ہے)

ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں سو اللہ والوں کو بے فکری کہاں البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کچھ ہنس دیتے ہیں اس کے مناسب حکایت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے حضرت یحیٰؑ کی ملاقات ہوئی، حضرت عیسٰی علیہ السلام کثیر التبسم تھے اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کثیر البکا[1] تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحیٰ (علیہ السلام) کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت یحیٰ نے فرمایا کہ اے عیسٰیؑ کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے۔ آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسٰی جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو لیکن خلوت میں یحیٰ کی طرح گریہ وزاری کیا کرو اور اے یحیٰ خلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو۔ کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا امید ہے۔

اور یہ حکایت اس لئے بیان کی گئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس لئے تھا کہ آپ کے ساتھ مصالح خلق کے وابستہ تھے اگر یہ بات

---

[1] زیادہ رونے والا

نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا غرض جس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم باتوں میں مشغول ہوتے تھے اس وقت حضور صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے کمال کی عام کو کیا خبر ہوتی ہوگی۔ اسی لئے کافر کہتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ الخ [1] (یہ کیسا رسول (محمد صلے اللہ علیہ والہ وسلم) ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے۔ (ان کے زعم میں یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف تھا۔ اور بازار میں بھی چلتا ہے)

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

(تمام عالم اسی سبب سے گمراہ ہوگیا کہ بہت کم لوگ خدا کے نیک بندوں سے مطلع ہوتے ہیں)

ہمسری با انبیاء برداشتند اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

(اپنے کو انبیاء کے برابر رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کو اپنی ہی طرح سمجھتے ہیں)۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

(کہتے ہیں کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان ہم اور وہ دونوں خواب اور کھانے میں فطرۃً مجبور ہیں)

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ درمیاں فرقے بودے منتہا

(یہ ان کو عدم بصیرت کی وجہ سے پہچان ہی نہیں سکتے جبکہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے)

---

[1] سورہ فرقان آیت ۷

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا　　واں خورد گردد ہمہ نور خدا

(یہ جو کچھ کھاتا ہے سب پلیدگی اور گندگی ہو جاتا ہے اور اللہ سے جدا ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ کھاتے ہیں سب خدا کا نور بنتا ہے)

کہ ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور خدا نکلتا ہے۔

میں جب حضرت حاجی صاحب سے اللہ علیہ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرق محض شاعرانہ طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادیا ہے کیونکہ واقعی فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلتا جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہؒ نے کیا خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے مراد اخلاق حسنہ ہیں مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق حمیدہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق ذمیمہ میں مدد ملتی ہے تو باوجود اس فرق عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور انبیاء کو اپنی مثل کہا کیونکہ ان میں کوئی ممیز انوکھی بات نہ تھی کھانا بھی کھاتے تھے پانی بھی پیتے تھے۔

علامتِ ولایت

آج کل بھی ایسے لوگوں کو جو کھانا چھوڑ دیں بہت بزرگ سمجھا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر پانی　یا کھانے کے چھوڑنے پر بزرگی کا مدار ہے تو سر سری اور سانڈا اور سمند جو جانور ہیں بہت بزرگ ہیں کیونکہ سر سری پانی بالکل نہیں پیتی اور سانڈا نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے صرف ہوا اس کی غذا ہے۔

صاحبو! بزرگی تو وہ چیز ہے کہ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان بعض راز ایسے پنہاں ہوتے ہیں کہ کراماً کاتبین دو فرشتے ہیں جو نیکی اور بدی لکھتے ہیں) کو بھی خبر نہیں ہوتی)

یعنی بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفع فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح آپ کے برتاؤ روزمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں۔ غرض ہر ہر بات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے۔ اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لئے داخل کیا گیا کہ حدیث میں مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ (جس راستے پر میں (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) اور میرے صحابہ ہیں) آیا ہے اور مَا عام ہے عبادت اور عادت دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

دوسرے کسی شخص کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے تو قطع نظر بزرگی کی علامت ہونے سے خود اس کا حکم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھے ہو اس کی بھوک اس خوراک سے دوگنی ہو تو وہ تو کم کھانے والا ہوا۔ ایک شیخ سے ان کے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت یہ بہت کھاتا ہے چالیس پچاس روٹیاں کھا جاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلا کر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا کرتے خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا (تمام کاموں میں میانہ روی بہتر ہے) اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میں اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ اصلی خوراک میری اس سے بہت زیادہ ہے

جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دونی کھایا کرتا تھا۔

تجویز میں احتیاط

تو اس حکایت سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض آدمیوں کی خوراک ہی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اصلی خوراک کے لحاظ سے وہ بہت کم کھاتے ہیں تو یہ معیار صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کر بزرگوں نے قلۃ الطعام[1] اور قلۃ المنام[2] کا حکم فرمایا ہے تو سمجھو کہ اول تو ہر ایک کی قلت جدا ہے جیسا حکایت بالا سے معلوم ہوا دوسرے ہر ایک کے لئے قلت کو تجویز بھی نہیں کیا جاتا بلکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی بڑے مفسدے کے دفع کرنے کے لئے کسی خفیف مکروہ کے ارتکاب کو بھی جائز رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے ذریعہ سے کسی گناہ کبیرہ سے بچانا منظور ہو۔

چنانچہ ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہوا اور چوری کرنے سے توبہ کی لیکن چونکہ مدت کی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے ہر شب چوری کرنے کا سخت تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا اور اس کو دبانے کے لئے وہ یہ کرتا کہ تمام ذاکرین کے جوتے اٹھا کر گڑبڑ کر دیتا اس کے جوتے کے ساتھ اس کا اور اس کے جوتے کے ساتھ اس کا غرض کسی ایک کا جوتا بھی اپنے ٹھکانے نہ ملتا آخر لوگوں نے دق ہو کر ایک شب بیدار رہ کر دیکھا معلوم ہوا کہ یہ نو گرفتار[3] ہیں صبح ہوئی تو شیخ سے شکایت کی انہوں نے بلا کر اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ حضور میں بے شک ایسا کرتا ہوں لیکن

---

[1] کم کھانے
[2] کم سونے
[3] نئے آئے ہوئے

اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت سے مجھے چوری کرنے کی عادت تھی اب میں نے توبہ کر لی ہے لیکن رہ رہ کر طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کو میں یوں پورا کرتا ہوں اب اگر آپ مجھے اس سے منع فرمائیں گے تو میں اضطراراً[1] پھر چوری کروں گا۔ غرض میں نے چوری سے توبہ کی ہے ہیرا پھیری سے توبہ نہیں کی۔ شیخ نے کہا کہ بھائی تجھ کو اس کی اجازت ہے، تم ہیرا پھیری کر لیا کرو۔ ان مراتب کو سمجھنا بڑی بصیرت پر موقوف ہے۔

قطع تعلقات

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترک ملازمت اور قطع تعلقات کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اب تو صرف ایک بلا میں گرفتار ہے چھوڑ دے گا تو خدا جانے کیا کچھ کرے گا۔ اور کس قسم کی آفات کا شکار ہوگا تو اتنی بلاؤں سے ایک ہی بلا اچھی ہے۔ اب لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ پیر صاحب لنگوٹہ بند ہوا دیں اور بیوی بچوں کو چھڑا دیں ایسے لوگوں کو تنخواہ پیر صاحب تو دینے سے رہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے کہ جب حوائج ضروری پوری نہیں ہو سکتی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا تو جھوٹی شہادتیں دینا جھوٹے مقدمے لڑانا، قرض لے کر دبا لینا غرض اسی طرح کے صدہا آفات میں گرفتار ہو جاتا ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ملازمت ترک کرانے کی کیا ضرورت خدا تعالیٰ کا نام جب دل میں جگہ کرے گا وہ خود ہی چھڑا دے گا۔ کیونکہ ؎

---

[1] غیر اختیاری طور پر

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت　　　ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے جب بھڑک گیا معشوق کے سوا باقی سب کا سب جلا دیتا ہے)

تیغ لا در قتل غیر حق براند　　　در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(لا الٰہ کی تلوار غیر حق والوں کے قتل کرنے میں چلتی ہے پھر دیکھو لا کے بعد کیا رہ جاتا ہے)

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت　　　مرحبا ای عشقِ شرکت سوز رفت

(صرف الا اللہ رہ گیا اور باقی تمام کا تمام ختم ہو گیا۔ اے عشق اے سب شرکتوں کے جلا دینے والے تجھے شاباش)

مشہور ہے کہ آب آمد و تیمم برخاست۔ تو آب تو آنے دو تیمم خود ہی جاتا رہے گا۔ یہی راز تھا جس کے لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ چھوڑانے کی کیا ضرورت ہے وقت پر خود ہی چھوٹ جائے گا۔ اور یہ حکم ایسے شخص کے لئے تھا جس کے کھانے پینے کی کوئی سبیل نہ ہو کہ ایں بلا دفع بلا ہائے بزرگ۔ اور اگر کسی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود ہو تو اس کو یہی مناسب ہے کہ اس پر قناعت کرے اور یاد خدا میں مشغول ہو۔ مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خوشا روزگارے کہ دارد کسے　　　کہ بازار حرصش نباشد بسے

(جو کام کسی شخص کو مل گیا ہے وہ اچھا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کی حرص و ہوس محدود ہو جائے گی)

بقدر ضرورت یسارے بود　　　کند کارے مرد کارے بود

(پھر بقدر ضرورت آسانی ہو گی پھر اگر وہ کام کا آدمی ہے تو بھلا کام بھی مل جائے گا)

یعنی اگر ضرورت کے لائق موجود ہو اور اس پر قناعت کر کے کام میں مشغول ہو جائے تو یہ بہت اچھا ہے۔

شانِ مشیخت

تو اس فرق کو دریافت کرنا اور لوگوں کے حالات اور طبائع کا انداز کرنا یہ قابل ہی کا کام ہے۔ اور یہی شانِ مشیخت ہے ورنہ کسی بزرگ کے ملفوظات یاد کر لینے یا تصوف کے مسائل ازبر ہونے سے شیخ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں　　تا کہ پیشِ جاہلاں خواند فسوں

(درویشوں کا کلام چراتا ہے دنیادار کمینہ آدمی۔ تاکہ جاہلوں کے سامنے جادو جیسا بیان کر کے انہیں اپنا گرویدہ کرے)

باتوں کے یاد کر لینے سے کچھ نتیجہ نہیں اگر ایک شخص کو بہت سی مٹھائیوں کے نام یاد ہوں اور نصیب ایک بھی نہ ہو تو اس حفظِ اسماء سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ لیکن اگر نام ایک کا بھی یاد نہ ہو اور کھانے کو دونوں وقت ملتی ہوں تو سب کچھ حاصل ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

میم و واؤ میم و نون تشریف نیست　　لفظِ مومن جز پئے تعریف نیست

(لفظ میم اور واؤ اور میم اور نون ان کے اندر خود بزرگی نہیں ہے یعنی لفظ مومن تو صرف پہچان کے لئے ہے)

کہ نام تو صرف پہچان کے لئے ورنہ اس میں کیا رکھا ہے اصل چیز معنی ہے اور وہ اس سے بفراسخ[1] دور۔ آج یہ حالت ہے کہ دو چار تعویذ گنڈے یاد کر لئے کچھ جھاڑ پھونک سیکھ لی اور شیخِ وقت بن گئے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

---

[1] کئی میل

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی ۔۔۔ تاراہ بیں نباشی کے راہ بر شوی
(اے بے خبر کوشش کرتا کہ خبر والا ہو تو، جب تک راہ دیکھنے والا نہ ہو تو رہبر کیسے ہو سکتا ہے)

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ۔۔۔ ہاں اے پسر بکوش کہ روزی پدر شوی
(اور حقائق کے مدرسہ میں عشق سکھانے والے استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر تاکہ ایک دن تو بھی استاد کا درجہ پانے کے قابل ہو جائے)

تو پہلے پسر تو بن لیں اس کے بعد پدر بننے کی نوبت آئے گی۔ یہ تو پیروں کی حالت ہے۔

کمالاتِ باطنی

مریدوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے انتخاب کی معیار عجیب و غریب اختراع کر رکھی ہے جس میں ذرا موحق پاتے ہیں اس کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ محض گرمی طبع سے ہونے لگتا ہے۔

ایک شخص حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہو گیا، آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ دل کے دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہیں کہتے۔ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خدا تعالےٰ کی یاد دل پر حاضر رہے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں تھرکتی ہیں یہ بہت کامل ہیں اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی ان کی نسبت کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں مگر یعنی ان میں کمالات باطنی نہیں حالانکہ کمالات باطنی بالکل مخفی ہیں اور ان کو بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اور وہ کمالات یہ ہیں کہ فن میں ماہر ہو۔ امت کے لئے حکیم ہو شریعت کا پورا پابند ہو یہ باتیں نہ ہوں تو ہزار مجاہدہ، ریاضت ہو کچھ نہیں۔ جفاکش کہیں گے، محنتی کہیں گے لیکن بزرگی سے کوئی علاقہ نہیں۔ بہر حال عوام الناس اپنے اعمال میں بھی غلط معیار پر چلتے ہیں اور انتخاب بھی غلط معیار سے کرتے ہیں کہ ان کی بدولت اکثر حقوق واجبہ بھی تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں۔

تلف حقوق

ایک سرحدی عابد کی نسبت سنا ہے کہ آخر شب میں تہجد ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے۔ اتفاق سے اس روز مسجد میں کوئی مسافر بھی سو رہا تھا۔ آپ نے نماز شروع کی لیکن مسافر کے خراٹوں کے سبب نماز میں مرضی کے موافق یکسوئی اور اجتماعِ خیالات نہ ہو سکا۔ آپ نے نماز توڑ دی اور مسافر کو خواب سے جگا دیا کہ ہماری نماز میں خلل پڑتا ہے اس کے بعد پھر آکر نیت باندھ لی مسافر چونکہ تکان سے بہت خستہ ہو رہا تھا تھوڑی دیر میں پھر سو گیا اور خراٹوں کی آواز پھر شروع ہوئی آپ نے پھر نماز توڑ کر اس کو بیدار کیا اور اس کے بعد نماز شروع کی۔ تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور چھری لے کر اس غریب مسافر کو شہید کر دیا اور پھر بفراغت[1] نماز پڑھی۔ صبح کو نماز کے لئے لوگ جمع ہوئے تو مسجد میں لاش کو دیکھا تعجب سے پوچھا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا تو عابد صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اس لئے ہم نے قتل کر ڈالا یہ تو بالکل کھلی حماقت تھی اس لئے سب نے اس پر نفرین کی ہو گی۔ لیکن آج کل اس سے بہت بڑی بڑی حماقتیں لوگ کرتے ہیں

---

[1] فراغت کے ساتھ

اور ان کی طرف ذرا التفات[1] نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے غافل[2] ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ آج دین کی سمجھ بالکل مفقود ہے ناواقفی سے ہم لوگوں کی بعض اوقات وہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک سرحدی کی نسبت سنا ہے کہ وہ ہندوستان میں آیا ہوا تھا اتفاقاً چوروں نے کسی موقع پر اس کو زخمی کر دیا ایک شخص نے اس پر رحم کھا کر اس کا علاج کرایا۔ چند روز میں اس کو آرام ہو گیا جب اپنے وطن جانے لگا تو اس شخص سے کہا کہ اگر تم کبھی ہمارے دیس میں آؤ گے تو ہم تمہارے احسان کی مکافات[3] کریں گے چنانچہ ایک مرتبہ کسی ذریعہ سے وہ شخص اس کے وطن گیا اور یاد آیا کہ اپنے دوست سے ملے دریافت کرتا ہوا اس کے گھر پہنچا ملاقات ہوئی نہایت عزت سے پیش آیا اور اپنے گھر لے گیا اور اس سے کہا کہ تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں اس کے جانے کے بعد گھر والوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو اس نے سارا قصہ ان سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے لئے تم فوراً یہاں سے بھاگو ورنہ وہ تم کو ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر کبھی ہمارا دوست ہمارے وطن آئے تو ہم اس کے احسان کی مکافات کریں گے اس طرح کہ اول اس کو اسی قدر زخم کریں گے کہ جتنے ہم ہوئے تھے اور پھر اس کا علاج کر کے اس کو تندرست کریں گے۔ چنانچہ وہ ابھی چھرا لے کر آئے گا اور تم کو زخمی کرے گا۔ یہ غریب وہاں سے بھاگا اور اس طرح اس کی جان بچی۔

تو بہت لوگوں کی عادت ایسی ہوتی ہے جیسی اس کی مکافات تھی لیکن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلاً بعض لوگوں کو مراقبہ کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ اگر حالت

---

[1] توجہ　　[2] پوشیدہ

[3] بدلہ

مراقبہ میں کوئی شخص ان کے پاس آکر نماز کے متعلق مسئلہ دریافت کرے اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہو اور کوئی دوسرا آدمی مسئلہ بتلانے والا بھی نہ ہو تو یہ ہرگز مراقبہ سے سر نہ اٹھائیں گے حالانکہ ایسے وقت میں فرض ہے کہ مراقبہ چھوڑ کر مسئلہ بتلادیں۔ میں نے خود ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں ہے لیکن نہ بیوی کی خبر ہے نہ بچے کی گویا ماسوی اللہ کو چھوڑ دیا۔

نسبت کی گرمی

اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگ کیفیات کو مطلوب سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے تو ہم پر یہ کیفیات کیونکر طاری ہوتیں۔ حالانکہ یہ کفار پر بھی ہوتی ہیں اس کی حقیقت ایک واقعہ سے سمجھ میں آئے گی۔ ایک سجادہ نشین نے مجلس عرس میں کلکٹر اور صاحب جج کو مدعو کیا وہ چونکہ خلیق تھے شریک ہو گئے آخر تن تن شروع ہوئی اور قوالوں نے گانا شروع کیا کچھ ایسا سماں بندھا کہ صاحب جج پر محویت کے آثار طاری ہونے لگے اور وہ بے اختیار ہو کر گرنے لگے تھوڑی دیر تو تحمل کیا جب نہ سنبھل سکے تو صاحب کلکٹر سے کہا کہ مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں گرا جاتا ہوں۔ صاحب کلکٹر نے کہا کہ میری بھی یہی حالت ہے آخر دونوں وہاں سے اٹھ گئے اور چل دیئے۔ تو صاحبو کیا یہ صاحب کلکٹر اور صاحب جج بھی بزرگ تھے۔ معلوم ہوا کہ کیفیات کا مدار قبول اور بزرگی نہیں وہ ایک انفعال ہے جو اکثر ذکر و شغل سے اور دوسرے اسباب سے بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح بعض اشغال سے ذکر میں یکسوئی بھی زیادہ ہوتی ہے اور خطرات کم ہونے لگتے ہیں کیونکہ ان اشغال سے

لہ ان طریقوں

رطوبات کم ہو جاتی ہیں تو یہ سب اسباب طبعیہ کے دخل سے ہوتی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کیفیات محض بیکار ہیں ہرگز نہیں کیفیات نافع بھی ہیں لیکن مقصود یہ ہے کہ ان میں زیادہ دخل اسباب طبعیہ کو ہے۔

ایک بزرگ کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے بڑھاپے میں روتے تھے سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ جوانی میں نماز میں لذت زیادہ ہوتی تھی میں سمجھتا تھا کہ یہ نسبت کا اثر ہے لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ معلوم ہوا کہ وہ سب جوانی کا نشاط تھا اب چونکہ وہ نہیں رہی اس لئے وہ کیفیت بھی نہیں رہی اور نسبت کی گرمی بڑھاپے میں جاکر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے ؎

خود قوی تر میشود خمر کہن   خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب خود بخود زیادہ تر قوی ہو جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو میرے ساقی کے ہاتھ سے آئے)

دوسرے بزرگ کہتے ہیں ؎

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم   ہر گہ نظر بروی تو کردم جواں شدم

(اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کمزور و ناتواں ہو گیا ہوں مگر پھر بھی جب تیرے (پر کیف) چہرہ پر نگاہ ڈالتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں)

غرض یہ نفسانی کیفیات نہ محمود[1] ہیں نہ مذموم[2] ہیں البتہ اگر یہ آلہ مقصود کا بن جائیں تو پھر محمود ہو جاتی ہیں ورنہ ہیچ مثلاً بعض کیفیات کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھی باقی رہتی ہیں اور اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مقبول اور خاصان خدا ہیں لیکن یاد رکھو کہ وہ مذموم ہیں اور یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا کہ مخالفت احکام پر بھی دعوے

---

[1] پسندیدہ   [2] ناپسندیدہ

مقبولیت کا کرتے تھے چنانچہ وہ کہا کرتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ؕ [1]
(ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) یعنی ہم مثل بیٹے کے ہیں کہ جس طرح باپ
اپنے بیٹے کو ہر حال میں چاہتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ ہم کو ہر حال میں چاہتے ہیں
خدا تعالیٰ ان کے اس خیال کا رد فرماتے ہیں کہ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ [2]
(آپ فرما دیجئے کہ پھر وہ کیوں تم کو تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیتا ہے)
تو اس امت میں بھی بعض لوگ اس خیال کے موجود ہیں مگر سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت
میں ایسے لوگوں کی گردن ناپی جائے گی ان اعمال کی وہاں کچھ بھی قدر نہ ہوگی کیونکہ
مقصود عبادات ہیں مجاہدات وریاضت مقصود نہیں لیکن چونکہ ہم لوگوں کی عبادات
میں وہ خلوص مطلوب پیدا نہیں ہوتا اس لئے یہ مجاہدات کئے جاتے ہیں کہ ہماری
نمازوں اور نیز دوسری عبادات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان پیدا ہو جائے پس یہ
ریاضت مقصود بالغیر ہوئی۔ لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب
میں دیکھا پوچھا کہ حضرت وہ تصوف کے نکات جو زندگی میں بیان ہوتے تھے یہاں
بھی کچھ کام آئے فرمایا کہ سب فنا ہو گئے ہاں کچھ نماز اخیر شب میں پڑھ لیتا تھا وہ
البتہ کام آئی مَا نَفَعَنَا اِلَّا رُکَیْعَاتٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ نہیں نفع دیا ہم کو لیکن نیم شبی
کی چند رکعتوں نے) لوگ خدا جانے ان کیفیات کو کیا کچھ سمجھے ہوئے ہیں ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے — حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(سردار گمان کرتا ہے کہ وہ مقصود حاصل کر چکا ہے حالانکہ خواجہ کا حاصل سوائے
گمان کے اور کچھ نہیں)
لیکن اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض ظاہری اعمال کافی ہیں اور مجاہدات کی

---

[1] سورۃ مائدہ آیت ۱۸ [2] مائدہ آیت ۱۸

مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ظاہری اعمال میں خلوص شرط ہے اور آج وہ مفقود ہے اور یہ مجاہدات اس خلوص کا مقدمہ ہیں اور مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے جیسے وضو مقدمہ ہے صلوٰۃ کا خود مطلوب بالذات نہیں لہٰذا بدون ان مجاہدات کے نرے اعمال اکثر کافی نہیں یہاں تک کہ عوام الناس کے مقرر کردہ معیاروں اور ان کے آثار کا بیان تھا۔

افضلیت عمل کا صحیح معیار

اب مناسب ہے کہ اصلی اور صحیح معیار بیان کر دیا جائے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ [1] (کیا تم حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو ان لوگوں کے برابر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں)

اس کی شان نزول میں مختلف قصے آئے ہیں جن کی تفصیل اس وقت مستحضر نہیں اتنی قدر مشترک ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بعض لوگوں میں گفتگو ہو گئی تھی کہ ایک جماعت اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو افضل سمجھتی تھی۔ دوسری جماعت اپنے تائیں۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں افضلیت اعمال کا فیصلہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ کونسی جماعت افضل ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے۔

کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے اعمال کے برابر کرتے ہو جو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے دین کو نفع پہنچایا

---

[1] سورۃ التوبہ آیت ۱۹

ہو یہ دونوں جماعتیں ہرگز برابر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمارت مسجد اور سقایۃ حاج ایمان باللہ و اعلائے کلمۃ اللہ کی برابر نہیں ہے کیونکہ جَعَلْتُمْ کا مفعول سِقایۃ کو قرار دیا ہے جو کہ عمل ہے تو مقصود اعمال کا تفاضل بیان کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ ایک جانب میں تو جَعَلْتُمْ کا مفعول اعمال کو بنایا اور دوسری جانب میں کاف کا مدخول مومنین کی ذات کو قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے جو ابھی ذہن میں آئی کہ جو لوگ معمرین مسجد تھے وہ اس وقت تک کافر تھے اور عمل ان کا نیک تھا اگرچہ خصوصیت محل کی وجہ سے اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں کیا تھا تو اس جانب میں اعمال کو ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ اب بوجہ عامل کے مومن نہ ہونے کے یہ اعمال مقبول ہی نہیں لیکن اگر اس سے قطع نظر بھی کی جائے اور نفس اعمال کو دیکھا جائے تب بھی اپنے مقابل اعمال سے کم ہیں اور دوسری جانب میں ذات کو کاف کا مدخول بنا کر یہ بتلا دیا کہ ان اعمال کی یہ حالت ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے خود عمل کرنے والا بھی مقبول ہو جاتا ہے الغرض اس آیت میں افضلیت سقایہ[1] و عمارت کے دعوے کی تغلیط[2] ہے اور مبنیٰ اس دعویٰ کا وہی تھا جو آج کل عوام الناس میں ہے یعنی عمل کا نفع عاجل ہو اور عام ہو اور عمل کی صورت عبادت کی سی ہو۔ سقایۃ الحاج میں تو نفع عام اور نفع عاجل تھا اور تعمیر مسجد کی صورت عبادت کی تھی۔ اس لئے ظاہراً معنی فضیلت کے اس میں زیادہ تھے اور اس کی تغلیط کر کے خدا تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ فضیلت فلاں فلاں عمل میں ہے لیکن اس میں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جن اعمال کو اللہ تعالیٰ نے افضل بتایا ہے ان میں وجہ ان کی افضلیت کی کیا ہے اور اس میں غور کرنے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کہ نفع لازم سے نفع متعدی افضل ہے یا نہیں

---

[1] پانی پلانا [2] غلطی بیان کی

اور تعدیہ یا لزوم پر افضلیت کی بناء ہو سکتی ہے یا نہیں۔

تو آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ افضلیت کی اور اس کا معیار ایمان ہے یعنی جس چیز کو ایمان سے زیادہ تلبس ہوگا وہ زیادہ افضل ہوگی اور اسی وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کا باعث اور اسلام کے پھیلانے میں معین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں کہ بدون اس کے دوسرے عمل بالکل مقبول نہ ہوں۔ مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدون زکوٰۃ کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدون حج کے۔ بجز ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال موقوف ہیں۔ پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ متعدی کو من الوجوہ افضل کہنا غلطی ہے۔ چنانچہ ایمان عمل متعدی نہیں اور پھر سب سے افضل ہے اور یہیں سے یعنی ایمان کے افضل الاعمال ہونے سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کہ غیر اہل ایمان کو اہل ایمان پر فضیلت دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے فلاں قوم اچھی ہے۔ البتہ اگر ایسے مضامین سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ بعض لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص مسلمان ہو کر بھی فلاں عیب کو نہیں چھوڑتا اس سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت غلطی اور جہل ہے۔

مؤمن عیب دار

ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ رنڈیوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیئے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے عیب لگتا ہے میں نے کہا اگر اسلام ایسے مسلمانوں کو نکالے تو تم کو ان سے پیشتر نکال دے گا۔ تمہارے اعمال کہاں کے اچھے ہیں۔ بعضے لوگ چمار بھنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ تحقیر کے پسند نہیں کرتے۔ مگر یاد رکھو جب قیامت کا دن ہوگا اس روز معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کو ذلیل سمجھتے تھے ان کی کیا حالت ہے اور ہماری کیا گت ہے

فَسَوْفَ تَرَى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

(پس عنقریب تو اے مخاطب دیکھ لے گا جس وقت کہ غبار ختم ہو جائے گا کہ آیا تیرے پیروں کے نیچے گھوڑا ہے یا کہ گدھا میدان جنگ میں کس قسم کے

سوار پر فتح پائی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار ہے جب موت واقع ہو گی اور دنیاوی پردہ ختم ہو جائے گا اس وقت حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی)

اسی طرح مومن عیب دار کو کافر باکمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان لایا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو تھوڑی مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ہ (جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ تمہیں کوئی خوف ہوگا نہ کسی کا غم) اور اس کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا خلیق مہربان باکمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ ابدالآباد جہنم میں رہے گا۔ اور کبھی اس کو نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو شخص ارتکاب جرم کریں ایک تو چوری میں ماخوذ ہو اور دوسرا بغاوت میں تو اگرچہ سزا دونوں کو دی جاتی ہے گی۔ لیکن چوری کی سزا محدود اور کم ہو گی۔ ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔ کہ وہ سزا بھگت کر پھر اپنے گھر آئے اور چین سے بسر کرے پر وہ باغی کبھی عذاب سے نجات نہ پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکالیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے گو وہ کتنا ہی بڑا لائق فائق ہو اور وہ چور بالکل جاہل کندۂ ناتراش ہو۔

کافرِ خوش اَخلاق

صاحبو! ایمان ایک آفتاب ہے۔ اگر ہزاروں بدلی کے ٹکڑے اس پر حائل ہوں تب بھی اس کا نور فائض ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کفر کی خوشِ اخلاقی آئینہ کی سی چمک ہے جو کہ بالکل عارضی ہے۔

دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گملہ میں لگا دی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اگرچہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور شادابی ہے اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن ایک چھینٹا بارش ہو جائے پھر دیکھئے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بدرنگ ہوتے ہیں بس مسلمان اگرچہ دنیا میں کسی حالت میں ہو لیکن قیامت میں جب ابر رحمت برسے گا تو دیکھنا کہ اس کا اصلی رنگ کیسا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے صاحبو! عزت آنی چاہیئے کہ مسلمان ہو کر اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو

اور مسلمان کی مذمت اور کافر کی تعریف کرو۔

اشتباہِ افضلیت

جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تلبس[1] ہوگا وہ افضل ہوں گی لیکن تلبس بالایمان کو سمجھنا ذرا دشوار ہے کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا مبنیٰ ہیں بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام پر مبنی ہیں۔

تو معیار وہ اعمال ہیں جو کہ مبنیٰ ہوں اسلام کا چنانچہ آیت میں ایمان کے ساتھ اسی عمل کو ذکر کیا گیا ہے جس سے اسلام کو قوت پہنچتی ہے اور مسجد حرام کی تعمیر خود اسلام پر مبنی ہے پس یہاں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسجد کی خدمت سے دین کی مدد اور اس کو قوی بنانا زیادہ افضل ہے اسی طرح اور جس قدر اعمال ہیں سب میں یہی دیکھنا چاہیئے جیسے تعلیم و تعلم وعظ ارشاد یعنی اصلاح خلق۔

پس وظیفہ وظائف سے اصلاح خلق میں زیادہ فضیلت ہوگی کیونکہ یہ مبنی ہے ایمان کی تکمیل کا مگر یہ افضلیت باعتبار معیار مذکور کے فی نفسہٖ ہے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو عمل فی نفسہٖ افضل نہیں وہ کسی عارض کی وجہ سے زیادہ قابل توجہ ہو جائے اور کسی خاص وقت میں اس کی طرف توجہ کرنا زیادہ افضل ہو جیسے وضو نماز سے افضل نہیں لیکن بعض اوقات بوجہ شرطیت نماز کے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے یا مثلاً وعظ کہنا کہ فی نفسہٖ تخلیہ للعبادۃ[2] سے افضل ہے۔

---

[1] ملی ہوئی

[1] عبادت کے لئے تنہائی میں بیٹھنے سے [2] سورہ انشراح آیت ۷، ۸

بقاءِ نسبت

لیکن جبکہ وعظ پر مقصود بقدرِ ضرورت مرتب ہو چکے تو بلا ضرورت ہر وقت اس میں مشغول رہنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کسی وقت عبادت کے لئے تخلیہ بھی اختیار کرے اور کسی وقت اپنی بھی فکر کرے۔ اور خدا کی یاد میں لگے اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ [1] کہ ایک وقت ایسا بھی نکال لئے کہ صرف خدا ہی کی یاد میں اس وقت مشغول ہوں کہ کوئی دوسرا کام نہ ہو ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روے ۔۔۔ بہ ازانکہ چترِ شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(ایک زمانہ فراغ دلی کے ساتھ نظر کرنا اس خوبصورت کی طرف بہتر ہے چترِ شاہی سے اور تمام دن کی ہاؤ ہو سے)

اور ؎

خوشا وقتے وخرم روزگارے ۔۔۔ کہ یارے برخورد از وصل یارے

(مبارک ہے وہ وقت اور وہ گھڑیاں جب ایک محب اپنے محبوب کے وصل سے سرفراز ہو)

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے کے بقاء کے لئے ایک سبب ہوتا ہے اور نسبت جس کی بدولت وعظ بھی موثر ہو گیا ہے اس کی بقا کا سبب یہ ہے کہ کسی وقت صرف شغل مع اللہ رہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی ہوگی جو کہ مشیخت تک پہنچ کر اپنا کام بالکل چھوڑ دیتے ہیں اس سے انکی نسبت ضعیف ہو جاتی ہے اور فیض بند ہو جاتا ہے۔

---

[1] کم فضیلت والا

خلاصہ یہ ہے کہ جو اعمال اسلام کا مبنی ہوں وہ افضل ہوں گے اس قاعدے کو محفوظ کر کے اعمال میں فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ اور جس کو اس قدر قوت نہ ہو کہ خود فیصلہ کر سکے وہ کسی عالم سے پوچھ لے کیونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ عمل کرتا تو ضرور ہے اور ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں ہو سکتی جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض اوقات اعمال غیر فاضلہ بھی کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر دریافت کر لینا چاہیئے البتہ اگر کوئی عمل ایسا ہو کہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور کوئی دوسرا عمل اس وقت اس کے مقابلے میں ایسا ضروری نہ ہو تو اگرچہ مفضول ہی ہو اسے کرنا چاہیئے۔ مثلاً ایک آباد مسجد گر گئی اور نمازی پریشان ہیں یا عیدگاہ گر گئی تو ایسے موقع پر اس کا کرنا زیادہ ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اعمال کی ضرورت متعین ہو اور وہ معلوم بھی ہو جائے وہاں تو اس کو کر لینا چاہیئے اگرچہ مفضول ہو اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں اپنی رائے سے ایک عمل کو دوسرے عمل پر ترجیح نہ دینا چاہیئے بلکہ کسی عالم سے استفتا کرنا چاہیئے جیسے مثلاً بخاری شریف کا وقف کرنا یا کسی غریب کو کھانا کھلا دینا۔

تفاوت سیئات

اب اس کے مقابلے کے لئے یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے کہ جس طرح حسنات میں تفاضل ہے اسی طرح گناہوں میں بھی تفاوت ہے۔

لیکن جس طرح حسنات میں استفتا کرنے کی ضرورت ہے کہ کس عمل کو کیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ اسی طرح سیئات میں استفتا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سب کو چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ چھوٹے بڑے گناہ سب گناہ ہیں اور حرام ہیں۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کیا فلاں کام بہت ہی گناہ ہے مطلب یہ ہوا کہ

اگر چھوٹا ہو تو ہم کر لیں۔ یاد رکھو اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک چنگاری کی نسبت پوچھے کہ کیا یہ چنگاری بہت بڑی ہے یا انگارہ۔ تو صاحبو جس طرح ایک بڑا انگارہ مکان بھر کو پھونک دے گا اسی طرح ایک چنگاری بھی گھر بھر کو پھونک دے گی۔ تو ایمان کے قصر کو ایک چھوٹا گناہ بھی ویسا ہی برباد کر دے گا جس طرح بہت بڑا گناہ تو سب سے بچنا چاہیئے۔ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ رشوت لینا زیادہ گناہ ہے یا سود کھانا میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ پیشاب زیادہ گندہ ہوتا ہے یا پاخانہ تاکہ جو کم گندہ ہو اس کو تناول فرمائیں۔ غرض یہ ہے کہ حسنات میں تو تفاضل کو دریافت کرو اور گناہ سب چھوڑ دو۔

اب میں اس وعظ کا ربط سابق وعظ سے بیان کرتا ہوں کہ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کو نفع پہنچانے کی اجازت نہیں تو آج کے بیان سے یہ شبہ جاتا رہا کیونکہ اس بیان سے اسکی فضیلت بھی ثابت ہوئی پس وہ آیت نفع پہنچانے کے معارض نہیں ہے البتہ کسی کے پیچھے نہ پڑو کہہ کر ختم کر دو۔

مثلاً اس وقت میں نے وعظ کہا ہے یہاں تک تو مناسب ہے اب اگر میں ایک ایک کے درپے ہوں اور تحقیق کرتا پھروں کہ کس نے عمل کیا اور کس نے نہیں کیا اور پھر اس کی فکر و تدبیر میں لگوں یہ اکثر اوقات مضر ہے۔ دیکھو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ؎ (اور آپ نصیحت فرمایئے اس لئے آپ نصیحت کرنیوالے ہیں) اور دوسرے موقع پر یہ بھی ارشاد ہے کہ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ؎ (اور جو شخص آپ سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو آپ اسکے درپے ہو جاتے ہیں) تو تذکیر تو مطلوب ہے مگر پیچھے پڑنا بیکار ہے۔ ہاں جہاں اپنی پوری قدرت ہو وہاں ضروری ہے جیسے اپنی اولاد یا شاگرد اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اسی موقع پر یہ آیت بھی ذکر کرنی چاہیئے تھی کیونکہ اصل مضمون تو معلوم ہو گیا گو آج معلوم ہوا۔ یہ مضمون دس بارہ دن سے میرے ذہن میں تھا درمیان میں ذہول بھی ہو گیا تھا اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ

بیان ہوگیا یہ بالکل نیا مضمون ہے اس سے اپنے اعمال میں بھی تفاضل سمجھنے کا طریقہ بآسانی معلوم ہو سکتا ہے اور انتخاب بھی اس معیار سے بآسانی ممکن ہے۔ اب خدا سے دعا کیجئے کہ وہ عمل کی توفیق دے۔

آمین یا رب العالمین ؕ

تمام شد